

متذکرہ بالاتمدنی اور عمرانی ارتقاء کا ساتھ دینے کی بجائے ہم تاحال پارلیمانی نظام حکومت اور موجودہ صوبوں کو ان کے ناموں سمیت محض انگریز کی وراثت کے طور پر اپنائے ہوئے ہیں، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ پارلیمانی نظام کے حق میں کوئی عقلی دلیل موجود نہیں ہے اور یہ صرف یا تو ان ممالک میں رائج ہے جہاں ماضی میں انگریزوں کی عملداری تھی یا پھر ان میں جو انگریزوں ہی کی طرح کی روایت پرستی کے تحت سابقہ نظام بادشاہت کی علامتوں اور یادگاروں کو عجائب گھروں یا چڑیا گھروں کے مانند برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ رہے صوبے اور ان کی حدود اور نام تو ان کے ضمن میں تو ہماری انگریزوں کی وراثت میں سر موثر میم یا تبدیلی سے گریز کی انتہاء کا مظہر یہ حد درجہ غیر معقول اور غیر منطقی رویہ ہے کہ ہم نے تاحال صوبہ سرحد کا نام بھی تبدیل نہیں کیا۔ حالانکہ شمال مغربی سرحدی صوبہ، متحدہ ہندوستان میں تو کسی درجہ درست نام ہو سکتا تھا، پاکستان میں تو یہ نام نہایت نامعقول ہی نہیں حد درجہ مضحکہ خیز بھی ہے۔ اس لئے کہ یہاں تو چاروں صوبے ”سرحدی“ ہیں۔ چنانچہ پنجاب شمال مشرقی سرحدی صوبہ ہے تو سندھ اور بلوچستان علی الترتیب جنوب مشرقی سرحدی صوبے اور جنوب مغربی سرحدی صوبے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور منطق کا کم از کم تقاضا یہ ہے کہ باقی صوبوں کے نام بھی اسی طور سے رکھ دیئے جائیں یا صوبہ سرحد کو وہاں کے باشندوں کی خواہش کے مطابق پختونستان یا پختون خواہ کا نام دے دیا جائے۔ گویا ”یا چناں کن یا چینیں!“

اسلام اور سماجی انصاف

ایک مکمل نظام زندگی کی حیثیت سے اسلام کی اعلیٰ ترین قدر اس کا آخری ہدف اور اصل مقصود و مطلوب عدل اجتماعی یعنی سماجی انصاف یا سوشل جسٹس ہے جس کے تین نمایاں ترین مظاہر ہیں: (۱) سماجی اور قانونی سطح پر کامل مساوات (۲) سیاسی سطح پر حریت اور (۳) معاشی سطح پر عدل و انصاف۔ چنانچہ اسلام ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جس میں نہ معاشرتی میدان میں اونچ نیچ اور ادنیٰ و اعلیٰ کا امتیاز ہو نہ سیاسی میدان میں جبر و استبداد کا راج اور بندہ و آقا، حاکم و محکوم اور مستکبرین اور مستضعفین کی تقسیم ہو۔ **Have nots** یعنی مترفین و محرومین میں منقسم ہوں!

یہاں ایک وضاحت ضروری ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بعض حضرات کو خیال آئے کہ اسلام کی اعلیٰ ترین قدر تو تقرب الی اللہ اور تعلق مع اللہ یعنی بندہ اور رب کے مابین خلوص و اخلاص اور باہمی محبت و ولایت کا رشتہ ہے! تو اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ واقعہ یہی ہے کہ اسلام انفرادی سطح پر بندہ مؤمن کو جو بلند ترین نصب العین عطا کرتا ہے وہ رضائے الہی اور فلاح اخروی کا حصول ہے، لیکن اس حقیقت سے صرف نظر کر لینا بھی شدید قسم کی بے حسی اور نا انصافی ہوگی کہ جس خطہ ارضی میں نظام اجتماعی ظالمانہ اور استحصالی ہو وہاں کے لوگوں کی عظیم اکثریت کو لہو کے بیلوں اور بار برداری کے جانوروں کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے اور فرمان نبوی ﷺ ((كَادَ الْفَقْرُ أَنْ يُكْثِرَ الْكُفْرَ)) یعنی ”قریب ہے کہ فقر و احتیاج کفر کی صورت اختیار کر لیں!“ اور قول شاعر۔

”دنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کر دیا تجھ سے بھی دُفریب ہیں غم روزگار کے!“
 کے مصداق ان میں نہ اتنا شعور باقی رہ جاتا ہے کہ اپنے خالق و مالک کی معرفت حاصل کر سکیں نہ اتنی فرصت ہی حاصل ہوتی ہے کہ ”بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے!“
 کے مصداق اُسے یاد کر سکیں یا اس سے لو لگا سکیں! اس سلسلے میں امام الہند شاہ ولی اللہ

دہلوی کا یہ قول آب زر سے لکھنے کے قابل اور لوحِ قلب و ذہن پر نقش کر لینے کا مستحق ہے کہ تقسیمِ دولت کا غیر منصفانہ نظام ایک دو دھاری تلوار ہے جو معاشرے کو دونوں جانب سے کاٹتی ہے، کیونکہ اس کے نتیجے میں ایک جانب ایک محدود طبقے میں دولت کا ارتکاز ہو جاتا ہے جس سے عیاشی اور بد اخلاقی جنم لیتی ہے، اور دوسری جانب فقر و احتیاج کا دور دورہ ہو جاتا ہے جس سے انسان ڈھور ڈنگر کی صورت اختیار کر لیتے ہیں! نابریں خانقاہی نظام کے برعکس جو مجاہدہٴ نفس اور ریاضت و مراقبہ ہی کو مقصود و مطلوب بنا لیتا ہے، اسلام نے اپنا ”ذروہٴ نسام“ یعنی چوٹی کا عمل جہاد فی سبیل اللہ کو قرار دیا ہے جس کا اصل ہدف ہے: قیامِ نظامِ عدلِ اجتماعی اور ظلم و جبر اور استحصال اور استبداد کا خاتمہ!!

اسلام میں اس عدلِ اجتماعی یا سماجی انصاف یعنی سوشل جسٹس کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ اس مسئلے میں قرآن حکیم کی عام تعلیمات پر مستزاد ان تصریحات کے جائزہ سے آسانی کے ساتھ کیا جاسکتا ہے جو تین بلند ترین سطحوں یعنی ایمان باللہ، ایمان بالرسالت اور اُمت مسلمہ کے فرائضِ منہی کے ضمن میں وارد ہوئی ہیں۔

(۱) اسلام کی اصل اساس ایمان باللہ ہے، اور ایمان باللہ اور معرفتِ الہی کا واحد ذریعہ اللہ کے اسماء و صفات ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماءِ حسنیٰ کی تفصیل پر مشتمل جو حدیثِ امام ترمذیؒ اور امام بیہقیؒ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ کا ایک نام نامی اور اسمِ گرامی ”العدل“ بھی ہے، یعنی سراپا عدل اور مجسم انصاف۔ قرآن حکیم میں اگرچہ اللہ تعالیٰ کا یہ نام تو وارد نہیں ہوا، تاہم متعدد مقامات پر اس کی اس شان کا ذکر موجود ہے۔ مثلاً:

(i) ﴿وَاللَّهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ﴾ (المؤمن: ۲۰)

”اور اللہ فیصلہ کرتا ہے حق کے ساتھ۔“

(ii) ﴿وَنُمِتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَغَدًّا﴾ (الانعام: ۱۱۶)

”تیرے رب کی بات صدق و عدل کے مطابق پوری ہو چکی ہے۔“

(iii) ﴿شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُوا الْعِلْمِ قَانِمًا بِالْقِسْطِ﴾

(آل عمران: ۱۸)

”خود اللہ بھی گواہ ہے اور سب فرشتے اور تمام اہل علم بھی گواہ ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو عدل و انصاف کو قائم کرنے والا ہے۔“

(iv) ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ (المائدة: الحُجرات اور الممتحنة)

”اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔“

(۲) ایمان باللہ کے بعد درجہ اور مرتبہ ہے ایمان بالرسالت یعنی بعثت انبیاء و رسل اور انزال کتاب و شریعت پر یقین کا۔ چنانچہ یہ بات بھی قرآن حکیم نے نہایت واضح الفاظ میں واضح کر دی ہے کہ ان جملہ امور کا اصل مقصد یہ ہے کہ ”انسان عدل و انصاف پر قائم ہوں۔“

اس اہم موضوع پر قرآن حکیم کی سب سے زیادہ ”انقلابی آیت“ سورۃ الحدید کی آیت ۲۵ ہے جس کے بارے میں بلا خوف تردید یہ کہا جاسکتا ہے کہ اتنے مختصر الفاظ میں اس قدر جامع اور اتنی بھرپور اور گھمبیر انقلابی عبارت کی کوئی دوسری مثال دنیا کے پورے انقلابی لٹریچر میں کہیں نہیں مل سکتی۔

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾

اس آیت مبارکہ کا ترجمہ بعض تشریحی اضافوں کے ساتھ یوں ہوگا:

”یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو روشن نشانیوں (یعنی معجزات و براہین) کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ اپنی کتاب بھی نازل فرمائی اور میزان بھی تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں اور (جو لوگ اس میزان عدل کے نصب کرنے میں رکاوٹ بنیں) ان کی سرکوبی کے لئے (ہم نے لوہا اتارا جس میں (حرب و ضرب کی) شدید قوت ہے اور اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کے لئے (کچھ دوسرے) فائدے بھی ہیں۔ اور (اس سے اللہ کا اصل مقصد یہ ہے) تاکہ اللہ (ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کو آزمائے اور یہ) دیکھے کہ کون ہیں جو (لوہے کی حربی قوت کے استعمال کے ذریعے) مدد کرتے ہیں اس کی اور اس کے رسولوں کی غیب میں ہوتے ہوئے (دور سے) یقیناً اللہ (خود) نہایت زور آور اور مقرر مطلق ہے!“

اس آئیہ مبارکہ نے نہایت واضح الفاظ میں واضح کر دیا ہے کہ:
 اولاً: شریعت خداوندی کی اصل حیثیت ایک میزانِ عدل و قسط کی ہے جس میں
 انسانوں کے انفرادی اور اجتماعی حقوق و فرائض تولے جانے چاہئیں۔

ثانیاً: بعثت انبیاء و رسل اور نزول وحی و کتب سے آخری مطلوب یہ ہے کہ اللہ کی
 عطا کردہ میزانِ عدل و قسط بالفعل نصب ہو اور جسے کچھ ملے اس میں تل کر ملے اور جس
 سے کچھ لیا جائے اس میں تول کر لیا جائے۔ اور اگر یہ مقصد حاصل نہ ہو تو ”گر یہ نہیں
 تو بابا پھر سب کہانیاں ہیں!“ کے مصداق رسولوں کے ساتھ عشق و محبت کے دعوے
 باطل اور کتابِ الہی کی تلاوت و قراءت کا ذوق و شوق بے مقصد ہو جاتا ہے۔

ثالثاً: اس میزانِ عدل و قسط کو عملاً نصب کرنے کے ضمن میں جہاں اصل کام
 دعوتِ اسلامی و تبلیغِ اسلام ہے، اندازاً و تبشیر اور ترغیب و ترہیب سے لیا جائے گا وہاں قوت و
 طاقت کا استعمال بھی قطعاً غلط یا مطلقاً ناجائز نہیں بلکہ حسبِ ضرورت نہ صرف جائز بلکہ
 بعض صورتوں میں فرض اور واجب ہو جاتا ہے۔

رابعاً: جس طرح انسان کی حیاتِ دنیوی کا اصل مقصد از روئے قرآن ابتلاء و
 آزمائش ہے، جیسے کہ وارد ہوا سورۃ الملک کی آیت ۲ میں جس کی ترجمانی کی ہے ترجمانِ
 حقیقت علامہ اقبال نے اپنے اس حکیمانہ شعر میں کہ ے

”قلزمِ ہستی سے تو ابھرا ہے مانندِ حباب

اس زیاں خانے میں تیرا امتحان ہے زندگی!“

اسی طرح انبیاء و رسل کی بعثت اور کتاب و شریعت کے نزول کا مقصد اُن لوگوں کے
 خلوص اور صداقت کا امتحان ہے جو اللہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان کے دعوے دار
 ہوں کہ آیا وہ اللہ کی عطا کردہ میزانِ عدل کو بالفعل نصب کرنے اور اسلام کے نظامِ
 عدل و قسط کو عملاً قائم کرنے میں تن من دھن کھپاتے، حتیٰ کہ وقت آنے پر نقدِ جان ہتھیلی
 پر رکھ کر میدان میں آ جاتے ہیں یا نہیں!

خامساً: وہ صاحبِ ایمان جو اس امتحان میں پورے اتریں اللہ کے نزدیک بلند

ترتیب میں مقام و مرتبہ کے مستحق ہوں گے یہاں تک کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے

”مددگار“ قرار پائیں گے۔

قرآن حکیم کے طالب علم جانتے ہیں کہ اس کتاب عزیز کا ایک مستقل اصول یہ ہے کہ اس میں اہم مضامین کم از کم دو مرتبہ ضرور آتے ہیں۔ چنانچہ سورۃ الحدید کی اس آیت ۲۵ کی طرح سورۃ الشوریٰ کی آیت ۷۱ میں بھی کتاب و میزان کا ذکر یکجا وارد ہوا ہے: ﴿اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ﴾ یعنی ”اللہ وہ ہے جس نے کتاب بھی حق کے ساتھ نازل فرمائی اور میزان بھی!“ اور اس سے قبل آیت ۱۵ میں نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے ع ”مجھے ہے علم اذ لا اله الا الله“ کے انداز میں کہلوا یا گیا ہے کہ ﴿وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ﴾ یعنی ”مجھے حکم ہوا ہے کہ تمہارے مابین عدل قائم کروں!“... اسی طرح اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نصرت کا ذکر جس انداز میں سورۃ الحدید کی اس آیت کے آخر میں آیا ہے بالکل اسی طرح سورۃ الصّٰفّٰتِ کی آخری آیت میں بھی وارد ہوا ہے۔ یعنی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنْصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِّلْحَوَارِثِ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِثُ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ.....﴾
 ”اے ایمان والو! اللہ کے مددگار بنو جیسے کہ عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا تھا کہ کون ہے میرا مددگار اللہ کی راہ میں؟ تو حواریوں نے جواب دیا تھا کہ ہم ہیں اللہ کے مددگار!“

مزید برآں یہ حقیقت بھی ذہن میں متحضر کر لیجئے کہ سورۃ الصّٰفّٰتِ کی مرکزی آیت وہی ہے جس میں نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت یہ بیان ہوا ہے کہ جو دین حق یعنی نظام عدل و قسط آپ کو دے کر بھیجا گیا ہے اسے پورے نظام زندگی پر بالفعل قائم کر دیں۔ (۳) نبی اکرم ﷺ پر نبوت کا سلسلہ ختم ہو جانے کے بعد اب قیامت تک رسالت کے مشن کی تکمیل اور فرائض رسالت کی ادائیگی کی ذمہ داری امت مسلمہ پر بحیثیت مجموعی عائد ہو گئی ہے۔ اس کے ضمن میں قرآن حکیم میں جہاں سورۃ الحج کی آخری آیت اور سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۳ میں ”شہادت علی الناس“ کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے اور سورۃ آل عمران کی آیت ۱۰۴ اور ۱۱۰ میں امر بالمعروف اور نہی

عن المنکر کے الفاظ وارد ہوئے ہیں وہاں سورۃ النساء کی آیت ۱۳۵ اور سورۃ المائدہ کی آیت ۸ میں ذرا سی لفظی ترتیب کے فرق کے ساتھ عدل و قسط کی گواہی اور نظام عدل و قسط کو قائم کرنے کے لئے پوری قوت کے ساتھ کھڑے ہو جانے کا تاکید حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ سورۃ النساء میں ارشاد ہوا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ...﴾

”اے اہل ایمان! پوری قوت کے ساتھ عدل و قسط کے قائم کرنے والے اور اللہ کے حق میں گواہی دینے والے بنو، خواہ یہ گواہی تمہارے اپنے خلاف جارہی ہو!“

© rasailojaraid.c

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَنْ لَا تَعْدِلُوا ۖ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ﴾

”اے ایمان والو! پوری قوت کے ساتھ اللہ کے لئے کھڑے ہو جاؤ عدل و قسط کی گواہی دیتے ہوئے اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرنے پائے کہ تم عدل سے انحراف کرو، ہر حال میں عدل سے کام لو، یہی تقویٰ سے قریب تر ہے!“

(۴) اس مضمون کا نقطہ عروج یہ ہے کہ قرآن مظلوم اور محروم طبقات کو صرف صبر ہی کی تلقین نہیں کرتا بلکہ انتقام لینے کی اجازت بھی دیتا ہے۔ چنانچہ انفرادی سطح پر تو سورۃ النساء کی آیت ۱۴۸ کے یہ الفاظ کفایت کرتے ہیں کہ:

﴿لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوٓءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلِمَ﴾

”اللہ کو بڑی بات بلند آواز سے کہنا بالکل پسند نہیں، سوائے اس کے جس پر ظلم ہوا ہو!“

اور اجتماعی سطح پر یہ بات نہایت واضح الفاظ میں فرمائی گئی ہے سورۃ الشوریٰ کی آیت ۳۹ میں جہاں ایسے لوگوں کا ذکر مدح و ستائش کے انداز میں کیا گیا ہے:

© rasailojaraid.c

﴿وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ﴾

”جن پر ظلم اور زیادتی کی جائے تو وہ اس کا بدلہ اور انتقام لیتے ہیں۔“

اور پھر آیات ۴۱ اور ۴۲ میں مزید تصریح کی گئی ہے کہ:

﴿وَلَمَنْ اَنْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَٰئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيلٍ ۝ اِنَّمَا السَّبِيلُ

عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۖ اُولَٰئِكَ لَهُمْ

عَذَابٌ اَلِيمٌ ۝﴾

”جو کوئی انتقام لیتا ہے اس کے بعد کہ اس پر ظلم کیا گیا ہو تو ایسے لوگوں پر نہ کوئی

الزام ہے نہ ملامت۔ الزام اور ملامت کے قابل تو وہ ہیں جو لوگوں پر ظلم کرتے

ہیں (یعنی ان کے سماجی، سیاسی اور معاشی حقوق غصب کرتے ہیں) اور زمین

پر ظلم کرنے والے ہیں“ یعنی مستکبرین اور مترفین کی صورت اختیار کر لیتے

ہیں (ایسے ہی لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے!“

ان اختتامی الفاظ میں گویا کہ اشارہ موجود ہے کہ ان ظالموں اور مستکبرین کو آخرت

میں تو سزا ملے گی ہی، دنیا میں بھی نہ صرف یہ کہ ان کے ہاتھ روکنے کی بھرپور سعی ہونی

چاہئے بلکہ ضرورت پیش آئے تو سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۷۹ میں وارد شدہ الفاظ

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَاۤاُولِی الْاَلْبَابِ﴾ یعنی ”اے ہوش مندو! تمہارے لئے

قصاص ہی میں زندگی ہے!“ کے مطابق ایسے لوگوں کو بھرپور سزا دینے حتیٰ کہ ان کی

سرکوبی کرنے سے بھی گریز نہیں کیا جانا چاہئے!

حاصل کلام یہ ہے کہ بحیثیت دین اسلام کی اعلیٰ ترین قدر سماجی اور تمدنی انصاف

ہے اور اقامت دین یعنی اسلامی انقلاب کا اصل ہدف یہ ہے کہ اللہ کا عطا کردہ متوازن

اور معتدل نظام عدل اجتماعی (سسٹم آف سوشل جسٹس) قائم کیا جائے۔

آخر میں عربی زبان کے اس مقولے کے مطابق کہ ”الْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ

الْاَعْدَاءُ“ یعنی ”اصل فضیلت اور خوبی وہ ہے جس کا اعتراف دشمن بھی کریں“ ایک شاتم

رسولؐ کی گواہی پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میری مراد ایچ جی ویلز سے ہے جس نے نبی

اکرمؐ کی ذاتی اور سوانحی زندگی پر نہایت رکیک حملے کئے ہیں، لیکن اس نے بھی